60

وساوس موجب ہلاکت ہوتے ہیں

(فرمودہ ۱۷ اکتوبر ۱۹۱۹ء)

حضور نے تشہد و تعوذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:۔

سورۃ فاتحہ ہمیں اس بات کی طرف متوجہ کرتی ہے، کہ انسان کو بھی اپنے دشمنوں سے بے خوف اور مامون اور نڈر نہیں رہنا چاہیئے۔ کیونکہ جو شخص عداوت پر آمادہ ہو گیا۔ اور اس نے اخوت اور محبت کو ترک کر دیا۔ اس کی نسبت یہ خیال کرنا کہ وہ دُکھ دینے اور ایذا پہنچانے سے ہاتھ روک رکھے گا۔ جہالت ہے۔ دُنیا کے معاملہ میں اس امر کی سچائی کس طرح اور کہاں تک ثابت ہوتی ہے۔ اس پر مجھے اس اس وقت کچھ بیان کرنے کی ضرورت نہیں۔ مگر دین کے معاملہ میں اس کی سچائی بہت روشن اور مبرہن ہے اور اسی کے متعلق میں کچھ بیان کرنا چاہتا ہوں۔

اللہ تعالیٰ نے سورۃ فاتحہ میں بیان فرمایا ہے کہ اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ۔ صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْھِمْ وَلَا الضَّآلِّیْنَ۔ انسان کامیابی کے راستہ پر چلا جاتا ہے۔ ایک وقت ایسا آتا ہے کہ وہ سمجھتا ہے کہ میں کامیاب ہو گیا کہ یک دم اس کے راستہ میں ایسی روکیں پیدا ہو جاتی ہیں کہ وہ بجائے اس مقصد کے پانے کے، اور بجائے اپنی منزل کے قریب ہونے کے اس راستہ کے اُلٹ چل پڑتا ہے۔ اور مدعا کے پانے سے محروم ہو جاتا ہے۔ یہ کیوں ہوتا ہے؟ اس کا کیا ذریعہ ہے؟ اس کو قرآن کریم نے سورۃ فاتحہ کی تفسیر میں بیان کیا ہے اور وہ سورۃ والناس ہے۔ فرمایا کہ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ۔ مَلِكِ النَّاسِ۔ اِلٰهِ النَّاسِ مِنْ شَرِّ الْوَسْوَاسِ الْخَنَّاسِ۔ الَّذِیْ یُوَسْوِسُ فِیْ صُدُوْرِ النَّاسِ۔ تمام قرآن کریم سورۃ فاتحہ کی تشریح ہے۔ جیسا کہ تمام سمجھنے والوں نے بیان کیا اور جس کو حضرت مسیح موعود نے بھی تسلیم کیا۔ تو سورۃ والناس غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْھِمْ وَلَا الضَّآلِّیْنَ۔ کی تشریح ہے۔ اس میں یہ بیان فرمایا ہے کہ کس طرح انسان اصل مقصد سے پھر جاتا ہے۔ کچھ ایسے لوگ ہوتے ہیں جو اس کی ترقی کو نہیں دیکھ سکتے اور

کچھ خبیث ارواح ہوتی ہیں۔ جو یہ نہیں دیکھ سکتیں کہ کوئی خدا کا بندہ خدا کے دروازے پر پہنچ جائے اور اس سے تعلق قلبی پیدا کرے۔ وہ انسان کو اس مقصد سے ہٹا کر خدا کے مقابلہ میں لیجا کھڑا کرتی ہیں اس حالت سے کوئی انسان بھی کسی مقام پر پہنچ کر محفوظ نہیں۔ جب تک کہ خدا کی خاص حفاظت کے نیچے نہ آجاتے اور خدا کا محبوب نہ ہو جاتے۔ وہ ارواح خبیثہ خواہ انسان ہوں، خواہ ابلیس ہوں۔ ہاں ایک وقت ایسا آتا ہے کہ انسان محفوظ ہو جاتا ہے۔ ورنہ اس کے نیچے کے تمام درجوں میں انسان خطرے میں ہوتا ہے۔

تو سورۃ فاتحہ میں اللہ تعالیٰ متنبہ کرتا ہے کہ دشمن سے آگاہ رہنا چاہیئے۔ یہ نہ ہو کہ کسی وقت اس کے خطرے سے غافل ہو جاؤ۔ اگر غافل ہو جاؤ گے۔ تو یہی نہیں کہ منزل پر پہنچنے میں دیر ہوگی۔ بلکہ وہ دشمن اُلٹ رستہ پر لگا دیگا۔ اور خدا کے مقابلہ میں اور بجاتے خدا کی تلاش کے اس کے غضب کے نیچے کھڑا کر دیگا۔

یہ تنبیہ اور یہ ہوشیار کرنا کچھ ذہنی نہیں۔ محض تنبیہ کے لیے نہیں۔ کیونکہ بعض دفعہ کسی تعلیم کو مکمل کرنے کے لیے اس کے ایسے حصتے بھی بیان کر دیتے جاتے ہیں۔ گو ان حصوں کا راستہ میں آنا مشکل ہوتا ہے۔ پس یہ بات محض تنبیہ کے لیے نہیں۔ بلکہ یہ وہ بات ہے۔ جو روزانہ مشکلات میں کام آنے والی ہے۔

ہماری جماعت میں سے ان لوگوں کو دیکھ لو۔ جو الگ ہو گئے ہیں۔ وہ اپنے نزدیک بلکہ جماعت کے ایک طبقہ کے نزدیک سلسلہ کے ستون بنے ہوتے تھے۔ اور وہ لوگ وہ ہیں۔ جو اخلاص رکھتے تھے۔ لیکن کوئی مخفی عُجب ایسا ان کے دل میں پیدا ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے بجائے ان کو بلند کرنے کے گرا دیا۔ اور اس عُجب نے بجاتے ان کو اصلی مقصد کی طرف لے جانے کے ان کی یہ حالت کر دی کہ وہ مضل ہو گئے۔ نہ صرف خود ہی محروم ہوتے بلکہ دوسروں کے لیے بھی محرومی کا موجب ہو گئے۔ خود ہی اس راہ کو نہیں چھوڑا۔ بلکہ دوسروں کو چھوڑانے کے درپے ہو گئے۔ حالانکہ زیادہ سال نہیں گزرے کہ وہ سلسلہ کے لیے کوشش کرتے تھے۔ اور اس کی ترقی چاہتے تھے۔ اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔ کہ کب ان کے دل میں عُجب آگیا۔ اور کب اس کے رستہ کو چھوڑ دیا، لیکن خدا جو نیتوں اور قلبی کیفیتوں کے مطابق نتائج پیدا کر دیتا ہے۔ دیکھو وہ لوگ کہاں سے کہاں پہنچ گئے۔ اور مخالفت میں اس قدر ترقی کر گئے کہ اگر غور کیا جاتے تو انہوں نے اپنی طرف سے سلسلہ کی بیخ کنی میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ بڑا وجود اگر سلسلہ شرعی ہو تو اس کے بانی کا ہوتا ہے اور اگر سلسلہ شرعی نہ ہو تو اس شخص کا وجود ہوتا ہے۔ جو شریعت کو قائم کرے۔ کیونکہ خدا تو نظر نہیں

آتا۔ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے نائب ہوتے ہیں۔ اور یہی انسان کے لیے اسوہ قرار دیئے جاتے ہیں۔ اور یہ ظاہر بات ہے کہ انسان کے لیے انسان ہی اُسوہ ہو سکتا ہے۔ اگر خدا ہو تو بندے کہہ سکتے ہیں کہ وہ خدا اور ہم بندے۔ خدا میں اور ہم میں کیا نسبت ؟ پس انسانوں کی ترقی کے لیے انسان ہی اُسوہ ہوتے ہیں اور وہ دو ہی بڑے وجود ہوتے ہیں۔ اوّل دین کو لانے والے اور دوسرے دین کو قائم کرنے والے۔

قرآن کریم کے بعد شریعت نہیں۔ اب جو نبی آیا۔ وہ اسی قرآن کریم کی شریعت کے قیام کے لیے آیا۔ اور وہ مسیح موعود ہے۔ اس کا وجود ہی ایک ایسا وجود ہے جس کے ذریعہ اتحاد ہو سکتا تھا۔ اور لوگ روحانی ترقیات کر سکتے تھے۔ یا تو وہ وقت تھا کہ ہر گفتگو میں وہ مسیح موعود کا نام لیا کرتے تھے۔ یا آپ کو ایسا گرایا کہ کہدیا کہ کیا مسیح موعود ہی ہر چیز پر حاوی ہو گیا۔ مسیح موعود نے جو قرآن کریم کے معانی بیان فرمائے۔ ان کے علاوہ معنے نہیں ہو سکتے۔ یہاں تک تو درست ہے کہ اُستاد ایک فقرے کی تشریح بیان فرمائے۔ اور اس کے علاوہ ایک اور صورت سے بھی اس فقرے کی تشریح ہو۔ اس کے متعلق ہم کہہ سکتے ہیں کہ ممکن ہے۔ اُستاد نے بیان نہ کی ہو۔ کیونکہ بہت سی باتیں ہیں۔ جو انسان جانتا ہے۔ لیکن سب بیان نہیں کر دیتا۔ یا یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ انسان تمام علوم و نکات پر حاوی نہیں ہو سکتا ممکن ہے کہ استاد کے ذہن میں یہ بات نہ آئی ہو۔ لیکن یہ کہنا کہ اُستاد نے جو بات بیان کی ہے وہ غلط ہے اس کے مقابلہ میں جو بات ہم کہتے ہیں۔ وہ صحیح ہے۔ یہ اُستاد کی ہتک ہے اور اس کی تکذیب ہے۔ بے شک قرآن کریم کے فہم کا دروازہ کُھلا ہے۔ ہم اس بات کو اپنے علم اور فہم اور تجربہ کی بناء پر تسلیم کرتے ہیں کہ فہم قرآن کا دروازہ کُھلا ہے۔ ہم جن لوگوں کا ادب کرتے ہیں۔ بہت سی باتیں انہوں نے بیان نہیں کی تھیں۔ مگر ہماری سمجھ میں آگئیں۔ پس اس خیال کے یہاں تک تو ہم مؤید ہیں کہ فہم قرآن بند نہیں ہوا۔ اور قرآن کریم کے مضامین ختم نہیں ہوتے۔

لیکن یہ کہنا کہ علم قرآن ختم نہیں ہوا۔ اور اس فقرے کے یہ معنے لینے کہ مسیح موعود کے فلاں معنوں اور فلاں مسئلہ کے خلاف ہمیں سمجھ آئی ہے۔ یہ زیادتی علم نہیں۔ بلکہ مسیح موعود کی تکذیب ہے ہم کہتے ہیں کہ جو کچھ مسیح موعود کو فہم قرآن دیا گیا۔ اس کی تائید میں زیادہ سے زیادہ مل سکتا ہے اور وہ اسکے مخالف نہیں۔ مثلاً مسیح موعود نے سو مسئلے بیان فرمائے۔ اب ہو سکتا ہے کہ ایک شخص کو ان سو کے علاوہ ایک اور مسئلہ سمجھ میں آجائے اور یہ ایک سو ایک ہو جائیں۔ اور اگر اسی طرح دس بیس تیس پچاس تک بھی مسائل کسی کی سمجھ میں آجائیں تب بھی مسیح موعود کے سو کے مقابلہ میں جزو ہیں۔ کیونکہ خدا سے جس قدر تعلق میں زیادتی ہوگی۔ اسی قدر خدا تعالیٰ علم میں ترقی دیگا اور شاگردی کے لحاظ سے وہ مسیح موعود کے

نیچے ہی ہوگا، لیکن اگر مسیح موعود کے مقابلہ میں ایک بات کا بھی دعویٰ کرے۔ جس سے مسیح موعود کی کسی بات کا رد ہوتا ہو۔ تو یہ غلط ہے۔ اور ان کی یہ بات کہ مسیح موعود پر فہم قرآن ختم نہیں ہوا۔ ان کے اخبار میں بھی شائع ہو چکی ہے۔ جس کے معنے انہوں نے یہ لیے ہیں۔ کہ مسیح موعود کے بیان کردہ مسائل کے مقابلہ میں ہمیں مسائل ملے ہیں۔ اور مسیح موعود کے بیان کئے ہوتے غلط ہیں۔

یاد رکھنا چاہیئے کہ مسیح موعود کے مسائل میں زیادتی ہو سکتی ہے۔ مثلاً جیسا کہ میں نے بیان کیا۔ حضرت مسیح موعود نے سو مسائل بیان کئے۔ آپ کا ایک غلام ایک اور بیان کر دے۔ جس سے ان کی تعداد ایک سو سے ایک سو ایک ہو جاتے، لیکن رد کر دینے میں وہ بات نہیں۔ یہ مسیح موعود کی تکذیب ہے۔ اسی نکتہ کو نہ سمجھنے کی وجہ سے انھوں نے کہدیا کہ مسیح موعود پر فہم قرآن ختم نہیں۔ اور اس کے یہ معنے لیے کہ مسیح موعود کے بیان کردہ بعض دینی مسائل صحیح نہیں۔ مسائل دینی میں یہ لوگ غلطی پر قائم نہیں رہا کرتے۔ مثلاً پیشگوئیوں میں بعض مخفی باتیں ہوتی ہیں، لیکن آخر اللہ تعالیٰ ان پر انبیاء کو آگاہ فرما دیتا ہے۔ اس بات کو حضرت مسیح موعود نے بھی تحریر فرمایا کہ مامور پہلے انہی عقائد پر ہوتے ہیں۔ جو عام طور پر لوگوں کے ہوتے ہیں، لیکن ان میں سے جو غلط ہوتے ہیں۔ خدا تعالیٰ وفات سے پہلے ان کی غلطی پر ان کو آگاہ کر دیتا ہے پس انبیاء وفات تک غلطی پر قائم نہیں رکھے جاتے۔

عجیب بات ہے کہ یہ لوگ کہتے ہیں کہ ہم مسیح موعود کی باتوں کو رد کرتے ہیں۔ اور ہم حضرت صاحب کی تحریر کو منسوخ کرتے ہیں۔ میرے نزدیک وہ شخص احمدی نہیں جو مسیح موعود کی کسی بات کو منسوخ ٹھہرائے وہ احمدی ہونے کے دعویٰ میں جھوٹا ہے۔ کوئی شخص حق نہیں رکھتا کہ مسیح موعود کی کسی بات کو منسوخ کرے۔ اگر میں کر سکتا ہوں۔ تو دوسرے بھی کر سکتے ہیں۔ پس میں نے کہیں نہیں لکھا۔ نہ کہیں یہ بات بیان کی ہے کہ میں حضرت اقدس کی فلاں تحریر کو منسوخ کرتا ہوں۔ ہاں میں نے یہ لکھا ہے کہ حضرت اقدس نے اپنی فلاں بات کو منسوخ کر دیا۔ اور یہ دونوں باتیں مختلف ہیں۔ اور مسیح موعود کو حق ہے کہ وہ اپنی کسی بات کو منسوخ کر دیں کیونکہ خدا بھی اپنی باتوں کو منسوخ کر دیتا ہے۔ کیا اس نے تورات کو منسوخ نہیں کیا۔ خدا کے تورات کو منسوخ کرنے سے کوئی شخص یہ استدلال کرے۔ میں بھی جو چاہوں۔ منسوخ کر سکتا ہوں۔ غلط ہے۔ کیونکہ یہ کہنا کہ خدا نے تورات کو قرآن کریم سے منسوخ کر دیا اور ہے۔ اور یہ کہنا۔ میں منسوخ کر سکتا ہوں۔ دوسری بات ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خاص طور پر لکھا ہے کہ مسیح ناصری بے پدر پیدا ہوتے اور خود ان کو اقرار ہے کہ اس بات پر آپ وفات تک قائم رہے، لیکن کہا جاتا ہے کہ کیا قرآن کا علم مسیح موعود پر ختم ہو گیا۔ اور اس کے یہ معنے لیتے ہیں کہ

مسیح موعود نے جو کچھ لکھا۔ وہ درست نہیں۔ وہ خود جو کچھ لکھتے ہیں۔ درست ہے۔ پھر ان کے نزدیک یہ کوئی اعتراض کی بات نہیں۔ اگر ہم کہتے ہیں کہ حضرت اقدس نے فلاں بات کو منسوخ کر دیا۔ تو اس پر اعتراض کیا جاتا ہے۔ اور خود ایک بات کو تسلیم کرتے ہوئے کہ مسیح موعود کا آخری وقت تک یہی عقیدہ رہا۔ لیکن چونکہ فہم قرآن مسیح موعود پر ختم نہیں ہو گیا۔ اس لیے ہم جو کہتے ہیں۔ وہ صحیح ہے۔ اور مسیح موعود کا بیان غلط۔ یہ ایک ایسی بات ہے جس کو کوئی عقل مند انسان جو حد بلوغت کو پہنچ چکا ہو، اس کو نہیں سمجھ سکتا۔ اور نہ اس کو ایک قرار دے سکتا ہے۔ سوائے اس کے جو ازلی طور پر خدا کے عذاب کے نیچے ہو کہ وہی اس کو ایک قرار دیگا۔ مجھ پر اعتراض کیا گیا کہ میں نے جو یہ لکھ دیا کہ حضرت اقدس مسیح موعودؑ نے حقیقۃ الوحی کی فلاں عبارت سے اپنی فلاں فلاں عبارتوں کو منسوخ کر دیا۔ تو اس پر شور مچ گیا کہ یہ ایک خطرناک راہ ہے۔ جو اختیار کی گئی ہے، لیکن وہ عقیدہ جس پر آپ وفات تک قائم رہے یعنی مسیح کی ولادت بے پدر۔ اس کی تکذیب کے لیے کہدیا گیا کہ کیا فہم قرآن مسیح موعود پر ختم ہو گیا؟

اصل بات یہ ہے کہ یہ مقابلہ جو کیا جاتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ایمان مٹ چکا ہے۔ وہ اتحاد کی رسی جو ایک ہی ایمان و اسلام کا ذریعہ تھی۔ اس کو انہوں نے کاٹ دیا۔ ان کی یہ حالت بغض اور کینہ سے پیدا ہوئی ہے۔

اسی طرح ہم دوسرے مسائل میں بھی دیکھتے ہیں۔ مثلاً کہتے تھے کہ خلیفہ کا خلیفہ نہیں ہو سکتا۔ حضرت مسیح موعود چونکہ خلیفہ ہیں۔ اس لیے ان کا خلیفہ نہیں ہو سکتا۔ ہم اس سوال کو علیحدہ کر کے کہ جب حضرت خلیفۃ المسیح اوّلؓ نے مولوی محمد علی صاحب سے تین دفعہ اپنی وصیت پڑھوائی اور اس وقت انہوں نے اس کے متعلق کچھ بھی نہ کہا۔ اور یہ منافقت کا فعل تھا۔ اور پھر اس وصیت کے پہلے یا بعد میں نہایت ضروری اعلان کا مضمون لکھا۔ ہم اس تمام قصہ کو چھوڑ کر کہتے ہیں کہ مولوی صاحب کی وفات اور اس مضمون کے شائع ہونے کے بعد جس میں خلیفہ کے خلیفہ سے انکار تھا۔ ایک جلسہ کیا جس میں چار خلیفہ بنائے۔ اور اس وقت ان کو یہ بات یاد نہ رہی کہ خلیفہ کا خلیفہ نہیں ہو سکتا۔ یا تو ایک خلیفہ کے تسلیم کرنے میں بھی ایمان جاتا تھا یا اب یہ ایمانداری دکھائی کہ ایک چھوڑ چار خلیفے بنا لیے۔

ہمیں کہتے تھے کہ ہم مسلمانوں کو کافر کہتے ہیں، لیکن مولوی محمد علی صاحب نے امیر المومنین کا لقب اختیار کیا۔ جس کے معنے یہ ہیں کہ غیر مبایعین کے چند صد افراد کے سوا سب کے سب مسلمان کافر ہیں۔ کیونکہ جن کے وہ امیر ہیں۔ وہ تو چند سینکڑے ہیں اور باقی تمام مسلمان خواہ وہ کوئی ہوں۔ ان کو واجب الاطاعت امیر تسلیم نہیں کرتے جس کا صاف نتیجہ یہ ہے کہ وہ ان چند سو کے سوا باقی سب کو مسلمان نہیں سمجھتے۔ اصل میں بات

تو یہی ہے، لیکن اظہار کی طاقت نہیں۔ اعتراض تو ہم پر کرتے ہیں کہ ہم مسلمانوں کو کافر کہتے ہیں، لیکن عملاً وہ بھی کافر کہتے ہیں۔ اگر عربی کا امیر نہیں۔ تو اُردو کے امیر ہی ہوتے بمعنی دولتمند، لیکن یہ بھی نہیں۔ پس وہ چند آدمیوں کے ساتھ ہو جانے کے ساتھ امیرالمومنین کیونکر ہو گئے۔

ہم امیرالمومنین ہیں۔ اور ہمیں جماعت کے اکثر حصہ نے امیرالمومنین تسلیم کیا ہوا ہے۔ چند لوگ ہیں جو باغی ہو کر جماعت سے علیحدہ ہو گئے ہیں، لیکن جو شخص چند کو لے کر دعویٰ امیرالمومنین ہونے کا کرتا ہے۔ اس کا دعویٰ غلط اور اس کا یہ کہنا بھی غلط کہ سب مسلمان کہلانے والے کافر نہیں جو لوگ ہماری بیعت میں داخل نہیں۔ ہم انہیں کافر نہیں کہتے۔ جب تک کہ وہ حضرت اقدس کی کھلی کھلی تحریروں کا انکار نہیں کرتے۔ ہم انہیں باغی کہیں گے۔ پس قریباً تمام جماعت احمدی نے ہمارے ہاتھ پر بیعت کر کے ہمارے امیرالمومنین ہونے پر اجماع کر لیا ہے۔ وہ لوگ جو ہماری جماعت سے الگ ہیں۔ وہ باغی ہیں۔ اور ان کا جماعت سے کوئی تعلق نہیں جیسا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ مَنْ فَارَقَ الْجَمَاعَةَ فَمِيْتَتُهٗ جَاهِلِيَّةٌ[1] جدھر کثیر جماعت کا حصہ ہے۔ دراصل وہی جماعت ہے۔

ادھر انہوں نے حضرت اقدس کی نبوت سے انکار کیا اور کہا کہ اب کوئی شخص نبی نہیں ہو سکتا۔ یا اسقدر فراخی کی کہ کہدیا کہ نبی کہتے ہیں۔ خبر دینے والے کو۔ پس ہر شخص جو کسی قسم کی خبر دیتا ہے۔ نبی ہے۔

ہر ایک بات جو سلسلہ کے لیے بطور ستون کے تھی اس کو مٹا دینا چاہا۔ خُدا کے مامور کی ہتک کی کُفر میں ضد کی۔ اس کا نتیجہ معلوم کہ سب مسلمانوں کو عملاً کافر کہدیا، حافظ صاحب (مولانا حافظ روشن علی صاحب مُراد ہیں۔ راقم) نے شملہ میں ایک لطیف جواب مولوی محمد علی صاحب کو دیا۔ اس پر چونکہ زبانی اور تحریری اعتراض ہوا۔ اس لیے میں اسی کے متعلق بیان کرتا ہوں۔ بات یہ ہے کہ ان کی طرف سے جب مباحثہ کے لیے عبدالحق اور مرہم عیسیٰ جیسے جُہلا پیش ہونے لگے۔ تو میں نے کہا تم سے مباحثہ نہیں ہو سکتا۔ ان کے علماء جہلاء ہیں۔ اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ کہ مسلمان تباہ اس وقت ہوں گے جب ان کے پیشوا جہلاء ہوں گے[2] تو ان کے علماء مدثر شاہ۔ مرہم عیسیٰ عبدالحق ہیں۔ جو قرآن کریم کے ایک رکوع کا صحیح ترجمہ بھی نہیں کر سکتے۔ چونکہ مولوی محمد علی صاحب ہماری ہر ایک بات میں نقل ضروری سمجھتے ہیں۔ اور ہم اس سے خوش ہیں۔ کیونکہ نقل آدمی اسی بات کی کرتا ہے۔ جس کو وہ پسند کرتا ہے۔

---

[1] مجمع بحار الانوار جلد ۳ صٓ۴۳

[2] بخاری و مسلم بحوالہ مشکوٰۃ کتاب الفتن فیما تکون فیھا الی قیام الساعۃ

اس لیے ہم نے جو بات کہی تھی۔ اس کی نقل بھی مولوی صاحب نے کرنی چاہی۔ جب حافظ صاحب نے ان سے ملاقات کرنی چاہی۔ تو کہہ دیا کہ مَیں ان کے سوائے کسی اور سے گفتگو نہیں کر سکتا۔ حالانکہ ان کے لوگوں نے جب بھی مجھ سے گفتگو کرنی چاہی ہے۔ تو مَیں نے ان کو موقع دیا ہے۔ یہاں ایسا ہوتا رہتا ہے۔ شملہ میں عبدالحق مجھ سے گفتگو کیا کرتا تھا، لیکن ان کے ساتھ مباحثہ سے مَیں نے انکار کیا ہے کیونکہ یہ ہر شخص کی شان نہیں ہوتی کہ اس کو مدِ مقابل بنایا جاتے۔ سائل ہو کر جب بھی ان کے کسی آدمی نے گفتگو چاہی ہے۔ تو مَیں نے اس کو موقع دیا ہے، لیکن کہتے ہیں کہ نقل را عقل باید۔ نقل تو کی۔ مگر عقل کہاں سے لاتے۔ مولوی محمد علی صاحب کے پاس حافظ صاحب نے جانا چاہا۔ اور خط لکھا۔ تو لکھ دیا کہ مباحثہ تو انہیں سے ہی کروں گا۔ مگر ان کے نزدیک وہ امیرالمومنین نہیں ہو سکتے تھے۔ جب تک حافظ صاحب سے بحث سے انکار نہ کرتے۔ حافظ صاحب نے نہایت لطیف اور مختصر جواب دیا کہ اپنے آپ کو امیرالمومنین لکھ دیا۔ میری طرف سے جو وفد گیا تھا۔ اس کے حافظ صاحب واجب الاطاعت امیر تھے۔ اور وہ وفد مومنین کا تھا۔ اور ان پر حافظ صاحب کا حکم ماننا ایسا ہی فرض تھا۔ جیسا کہ میرا۔ اس لیے مولوی محمد علی صاحب کو جواب دینے کے لیے یہ لکھنا درست تھا۔ کیونکہ جب کئی کروڑ مسلمانوں کے مقابلہ میں چند سو آدمی کے امیر مان لینے سے مولوی محمد علی صاحب امیرالمومنین ہو جاتے ہیں۔ تو انہی کے قاعدے سے کئی لاکھ کی جماعت میں سے چند لوگوں کے امیر ہونے سے کیوں حافظ صاحب امیرالمومنین نہیں ہو سکتے۔ پھر مولوی صاحب تو صرف ایک انجمن کے پریذیڈنٹ ہیں، لیکن حافظ صاحب میرے نائب ہونے کی حیثیت میں اس وفد کے افراد کے لیے واجب الاطاعت تھے۔ پس مولوی صاحب اگر کروڑوں مسلمانوں کے مقابلہ میں چند سو کی انجمن کے پریذیڈنٹ ہونے سے امیرالمومنین کہلاتے ہیں۔ تو حافظ صاحب واقعی ان افراد کے امیر ہونے سے امیرالمومنین کیوں نہ ہوں۔ یہ ایک الزامی جواب تھا کہ جب ہر کوئی چند لوگوں کے تعلق سے امیر بن جاتا ہے۔ تو ہم بھی اس حیثیت سے امیر ہیں۔ اور تم اپنی امارت کے خیال سے ہم سے بحث سے گریز نہیں کر سکتے۔

غرض کہ بغض اور حسد ہی ہے جس نے ان کو حق کے قبول کرنے سے روک دیا۔ یہ نتیجہ ہے غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ کا۔ دیکھو چھوٹی چھوٹی باتوں سے بگڑ کر انہوں نے مخالفت کی تلوار اُٹھائی۔ اور اپنے آقا پر اُٹھائی۔ اور تبر چلایا۔ اور اس درخت کی جڑ پر چلایا جس پر بیٹھتے تھے اور اس چشمہ کو گندہ کرنا چاہا جس سے پانی پیتے تھے۔ پس مومن کو ہر وقت شیطان کی چالاکیوں

سے بچنا چاہیئے۔ اور ہر وقت خدا کے حضور عجز سے دُعا میں مصروف رہنا چاہیئے کہ ایسا نہ ہو کہ کسی وقت تکبر اور انانیت آجائے۔ اور اس کو ہلاک کر دے۔ خُدا کی طرف جانے والے کی مثال ایسی ہی ہے کہ جیسے تیز دریا میں چلنے والا۔ اگر ہمت سے چلتا رہے گا تو سلامت چلا جاتے گا۔ اگر ایک دم کے لیے غافل ہوا تو پھر پیر اُکھڑ جائیں گے اور اس کو پانی کہیں سے کہیں لے جاتے گا۔

خدا کے فضل آپ کے شامل حال ہوں کہ آپ کے قدم آگے ہی آگے پڑیں اور اللہ تعالیٰ آپ کو ہر قسم کے حملوں اور وسوسوں سے محفوظ رکھے۔ آمین ::

(الفضل ۸ ر نومبر ۱۹۱۹ء)